سبق: 3

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ یوسف، آیت 21 تا 29)

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ

اور مصر میں جس شخص نے انھیں خرید ااس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے عزت کی جگہ دو، امید ہے کہ یہ ہمیں نفع دے گا،

آیت 21 ﴾ وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ : یوسف علیہ السلام کو خریدنے والا عزیزِ مصر تھا۔ وہ لڑکے کو لے کر گھر پہنچا تو بیوی سے کہنے لگا کہ میں نے اسے خریدا ہے لیکن یہ عام بچوں جیسا نہیں ہے۔ میں نے اسے بہت ذہین اور باصلاحیت پایا ہے۔ ظاہر ہے وہ حکومت میں بڑا عہدیدار اور ایک جہاندیدہ انسان تھا، اس لیے بیوی سے کہتا ہے کہ میں بہت قیمتی چیز لے کر آیا ہوں۔ ہم اسے محض ایک غلام یا نوکر بنا کر نہیں رکھیں گے بلکہ " اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ " تم نے اس کے ساتھ بہت اکرام اور عزت والا سلوک کرنا ہے، جیسا کہ مہمانوں اور باوقار لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی عمر تو تھوڑی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا معزز بنا دیا کہ خرید کر لانے والا خود کہتا ہے کہ یہ نوکر نہیں ہے، اسے ہم گھر کا فرد بنا کر رکھیں گے۔

عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا : جوں جوں یہ بڑا ہو گا اور جوانی کو پہنچے گا ہمیں بہت فائدہ دے گا یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں گے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ عزیزِ مصر کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اولاد نہیں تھی۔ اسی لیے وہ خواہش رکھتا تھا کہ یہ لڑکا اس قابل ہے کہ ہم اسے اپنا بیٹا بنائیں، لہٰذا وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ بیٹوں کے ساتھ جو سلوک ہونا چاہیے وہی تم نے اس کے ساتھ کرنا ہے۔

وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۫ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ

یا ہم اسے بیٹا بنالیں گے۔ اور اس طرح ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو ارضِ (مصر) میں جگہ دی، غرض یہ تھی کہ ہم اسے بہت

یہاں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ متبنیٰ یعنی لے پالک یا منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھا جانے کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور ابتدائے اسلام میں بھی رائج تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اس رواج کی یہ کہہ کر ممانعت فرما دی: ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الأحزاب : ٥] ”انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے، پھر اگر تم ان کے باپ نہ جانو تو وہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔“ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حقیقی باپ کے سوا کسی دوسرے باپ کی طرف نسبت کرنے سے منع فرمادیا اور اس کی سخت وعید بیان کی۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ((أَنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنَّا نَدْعُوْهُ إِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْآنُ : ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾)) [صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب : ﴿أدعوهم لآباءهم ...﴾ : ٤٧٨٢] ”رسول اللہ ﷺ کے آزاد کیے ہوئے غلام زید بن حارثہ کو ہم ہمیشہ زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے، یہاں تک کہ قرآن کریم میں آیت نازل ہوئی: ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ”انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((لَا تَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ)) [صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب من ادعى إلى غير أبيه : ٦٧٦٨] ”اپنے باپ کا کوئی انکار نہ کرے کیونکہ جو اپنے باپ سے منہ موڑتا ہے (اور اپنے آپ کو کسی اور کا بیٹا ظاہر کرتا ہے) تو یہ کفر ہے۔“ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيْهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)) [صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب من ادعى إلى غير أبيه : ٦٧٦٦] ”جس نے اپنے باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔“ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرٰى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ أَوْ يَقُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَقُلْ)) [صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب : ٣٥٠٩] ”سب

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴿۲۱﴾

سی باتوں کی حقیقت سکھا دیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنے کام پر پوری طرح غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿21﴾

سے بڑا بہتان اور سخت جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا باپ کہے، یا جو چیز اس نے خواب میں نہیں دیکھی اس کے دیکھنے کا دعویٰ کرے، یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔“

ان آیات و احادیث سے ثابت ہوا کہ ماں باپ، بہن، بھائی یا بیٹا بیٹی منہ سے کہہ دینے سے نہیں بنتے۔ عزیزِ مصر کی بیوی اگر یوسف علیہ السلام کو اپنا سگا بیٹا مانتی تو وہ ان سے وہ معاملہ کبھی نہ کرتی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ حقیقت ہے کہ بہت سے گھروں میں اللہ کی نافرمانی کے ایسے ہی نتائج رونما ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت تاکید کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ . . . : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے یوسف (علیہ السلام) کو کنویں سے نکلوا کر مصر پہنچایا اور اسے یہاں بڑی عزت والی جگہ عطا کی۔ ایک بادشاہ کے وزیر یا بڑے عہدیدار کے گھر میں ان کے رہنے کا بندوبست کر دیا، فرمایا: ﴿ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾ ہم نے اسے اس لیے یہاں لا کر رکھا کہ ہم اسے علم سکھانا چاہتے تھے۔ بچے کو جیسا ماحول ملتا ہے ویسی ہی اس کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ ایک بادشاہ یا وزیر کے گھر میں آنے جانے والے کون ہوں گے، ان کی مصروفیات کیا ہوں گی اور معاملات کس طرح چلتے ہوں گے؟ اس کے بارے میں بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے یوسف علیہ السلام کو ان سے حکمرانی اور سیاست کے اسرار و رموز سیکھنے کا پورا موقع ملا ہو گا۔ اس سطح کے لوگوں کا ماحول عام لوگوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ہم چاہتے تھے کہ اپنے بندے کو تعلیم دیں، اس لیے یوسف علیہ السلام کے لیے ایسے ماحول کا بندوبست کیا گیا تاکہ ان کی اچھے طریقے سے تربیت ہو سکے۔

یوسف علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے چونکہ مصر کے تخت پر بٹھانا تھا، اس لیے انھیں آداب سکھانے اور دوسری ساری چیزیں سمجھانے کے لیے عزیزِ مصر کے گھر میں رکھا گیا، تاکہ وہ نظامِ حکومت چلانے والے امور کو گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

”مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ“ سے مراد ہر چیز کی گہرائی میں جانا اور معاملات کو سمجھ کر ان کے بارے میں فیصلے کرنا ہے۔ اس کا ایک معنی خوابوں کی تعبیر بھی کیا گیا ہے۔ خوابوں کی تعبیر علماء ہی کا کام ہے۔ جن کے پاس علم ہوتا ہے اور جن میں سوجھ بوجھ زیادہ ہوتی ہے وہی تعبیر بیان کر سکتے ہیں۔ علم و فہم خاص طور پر اللہ کی شریعت کے علم کے بغیر یہ چیز ممکن نہیں ہے۔ وحی کا علم ہی ایسا علم ہے جس کے ساتھ صلاحیتیں بہت زیادہ نکھرتی ہیں۔ بعض مفسرین نے یوسف علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بہت روایات بیان کی ہیں کہ انھوں نے علم الافلاک اور دوسرے بہت سارے علوم و فنون سیکھے، لیکن ان روایات کی کوئی سند نہیں ہے۔ سادہ سی بات جو سیاقِ کلام سے بھی واضح ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب وہ (یوسف علیہ السلام) اپنی پوری جوانی کو پہنچے تو ہم نے انھیں حکمت اور علم عطا کیا اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں ﴿22﴾

انھیں جس گھر میں رکھا وہاں انھیں بچپن سے ماحول ہی ایسا ملا کہ انھوں نے آداب و اخلاق اور امورِ حکومت سنبھالنے جیسی بہت ساری اعلیٰ باتیں سمجھیں اور سیکھ لیں۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ. . . . : ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنے کام پر پوری طرح غالب ہے۔“ برادرانِ یوسف نے اپنے بھائی سے جان چھڑانے کے لیے ایک منصوبہ بنایا کہ اس طرح یہ گم ہو جائے گا، کسی کے ہاتھ لگ جائے گا یا مر جائے گا۔ وہاں بھی ” اَمْرًا “ کا لفظ ہے، یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ﴾ [یوسف : ۱۸] بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک خوبصورت بات بنائی اور معاملہ طے کیا جبکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے بھی ایک معاملہ طے کیا اور پھر اسے پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جس بات کا ارادہ کر لیتا ہے وہ اسے پورا کر کے دکھاتا ہے۔ اس کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ بظاہر تو یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکے جانے اور قافلے والوں کا مصر میں لا کر بیچ دینے کا معاملہ دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کو واضح کرنے کے لیے یہ سب کچھ کروا رہا تھا، فرمایا: ﴿ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ وہ اپنی تدبیروں اور اپنے وسائل پر انحصار کر رہے ہوتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس لیے رب تعالیٰ کی ذات پر بھروسا اور توکل کرنا چاہیے اور پھر محنت کرتے ہوئے معاملے کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ ”جو چیز اللہ کے سپرد کی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی حفاظت کرتا ہے۔“ [صحیح ابن حبان : ۲۷۳۰ ـ الصحیحة : ۱/ ۵۰] جب یہ رویہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو بہت زیادہ نوازا ایسے ہی وہ اپنے دوسرے بندوں کو بھی بہت کچھ عطا کرتا ہے۔

آیت 22 ﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا: یوسف علیہ السلام پہلے تو بچے تھے لیکن جب وہ بھرپور جوانی کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر چیز کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کر دی۔ ” حُكْمًا “ سے مراد حکمت ہے۔ اس کا دوسرا معنی حکومت کیا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو اللہ رب العالمین نے دونوں چیزیں عطا کی ہیں۔ دانائی بھی پوری ملی ہے اور حکومت سے بھی نوازا گیا ہے۔ اسی طرح علم سے مراد مطلق علم ہے یا اس سے مراد نبوت ہے۔ خالقِ کائنات نے جتنی انھیں ضرورت تھی اتنا علم بھی دیا اور اس کے ساتھ ساتھ انھیں نبوت بھی عطا فرمائی۔

وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ : ”اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔“ گویا یہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت بڑی دعوت ہے کہ اگر تم بھی اللہ کے انعامات حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمھاری خواہش ہے کہ تمھیں بھی بڑی

وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ

اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے انھیں اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر دیے اور کہنے لگی

بڑی کامیابیاں حاصل ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم بھی محسن بنو، جیسا کہ یوسف علیہ السلام ایک محسن شخص تھے۔ بندہ جب ہر حال میں بہت زیادہ صبر وشکر سے کام لیتا اور عبادت زیادہ کرتا ہے تو ایسے شخص کی عبادت میں حسن پیدا ہوتا ہے اور اس کا اپنے رب سے تعلق بہت گہرا ہوتا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کے ساتھ بندہ محسن بنتا ہے اور اللہ کے انعامات ایسے محسن بندوں کو ملتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو دیکھ لیں ان کا صبران کی تربیت کر رہا ہے۔ وہ بہت زیادہ عبادت گزار بھی تھے۔ ان کی ساری جوانی عبادت میں گزری۔ گویا ان کے نیک اعمال نے انھیں اس مقام پر پہنچا دیا۔ یہاں ایک بات سمجھ لیں کہ یہ معاملہ صرف یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سب محسنین کو بدلہ دیتے ہیں۔ یعنی کوئی بھی شخص اگر یہ رویہ اختیار کرے گا اور صبر اور عبادت کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو رب تعالیٰ اسے ضرور جزا عطا کریں گے، جیسا کہ اس سورت کے آخر میں فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ [یوسف : ۹۰] ”بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیز گاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکو کار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

آیت 23 ﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ: یوسف علیہ السلام کا کنویں میں ڈالے جانے سے بھی بڑا امتحان شروع ہو گیا۔ وہ پہلے بچے تھے، پھر آہستہ آہستہ جوان ہوئے اور جب بھرپور جوانی آگئی تو عزیزِ مصر کی بیوی کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ تو بہت خوب صورت نوجوان ہے تو اس نے ڈورے ڈالنے شروع کر دیے اور یوسف علیہ السلام کو بہلانا پھسلانا شروع کر دیا۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ عورت مسلسل پیچھے لگی ہوئی تھی کہ کسی نہ کسی طریقے سے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرے۔ اگرچہ انھیں اس گھر میں بہت معزز مہمان کی شکل میں رکھا گیا تھا لیکن بہر حال اس گھر میں وہ ایک غلام کی حیثیت سے خرید کر لائے گئے تھے، اس لیے اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو بہلانے پھسلانے کے لیے ہر حربہ اختیار کیا کہ کسی طرح وہ برائی پر آمادہ ہو جائیں۔

وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ: اس عورت نے ایک موقع پر تو گھر کے سارے دروازے بند کر دیے۔ یہاں ”الْاَبْوَابَ“ کا لفظ بولا گیا ہے، یعنی ایک دروازہ نہیں تھا بلکہ متعدد دروازے تھے۔ بعض مفسرین نے سات دروازے لکھے ہیں اور کہا ہے کہ اس نے سارے دروازے بند کر کے یہ امکان ہی ختم کر دیا کہ کوئی آئے گا اور دیکھ لے گا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یوسف پوری تسلی اور اطمینان کے ساتھ بری حرکت کا ارتکاب کرے اور اسے کسی قسم کا کوئی خوف نہ ہو۔ عورت کی اپنی طرف سے تدبیر یہی تھی کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

آؤ جلدی کرو (کیوں دیر کرتے ہو؟)(یوسف علیہ السلام نے) کہا اللہ کی پناہ! بے شک وہ میرا رب ہے، اس نے مجھے عزت کی جگہ دی ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ﴿23﴾

وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ .... : ''اور کہنے لگی آؤ جلدی کرو (کیوں دیر کرتے ہو؟)'' یہاں کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ اس نے جب یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی تو وہ کہنے لگے ﴿ مَعَاذَ اللّٰهِ ﴾ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تاکہ گناہ سے بچ جاؤں۔ جو اللہ مجھے دیکھ رہا ہے وہ تمھیں بھی دیکھ رہا ہے، اس لیے اپنے اس ارادے سے باز آ جاؤ۔

اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ : بے شک میرا رب وہ اللہ ہے جس نے مجھے اتنی اچھی جگہ دی اور ایسے گھر میں ٹھہرایا جس میں مجھے بہترین سہولتیں میسر ہیں۔ جب میرے رب نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو میں اس گھر کی عورت کے ساتھ غلط کام کیوں کروں؟ میں اخلاق سے گری ہوئی یہ حرکت کسی صورت نہیں کروں گا۔ گویا یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی کو اللہ سے ڈرانے کی کوشش کی۔

یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ حسن سے نواز رکھا تھا۔ جب تک وہ چھوٹے بچے تھے عزیزِ مصر کی بیوی کی نظر شفقت و محبت والی تھی لیکن جب وہ مضبوط نوجوان بن گئے تو اس عورت میں شہوانی جذبات ابھرنے لگے۔ عورت کے حقیقی بیٹے اور متبنّیٰ کا یہی فرق ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ)) [سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة : ٢١٦٥] ''خبردار! کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کے ساتھ ہرگز اکیلا نہ ہو کیوں کہ ایسی صورت میں ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔'' حقیقت ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی اگر اس فتنے کا شکار ہوئی تو لازمی طور پر اس کا ایک بڑا سبب یہ چیز بھی تھی۔ بے پردگی سے یہی تباہیاں پھیلتی ہیں، عزت و غیرت، رشتوں کا تقدس اور معاشروں کی پاکیزگی سب تباہ ہو جاتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کل پردے کے حوالے سے ان چیزوں کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا، یہی وجہ ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے مسلم معاشروں میں بہت زیادہ خرابیاں جنم لے رہی ہیں۔ دینِ اسلام کی تعلیمات تو اس حوالے سے اس قدر سخت ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیور کے متعلق بھی فرمایا ہے: ((اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ)) [صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل .... : ٥٢٣٢] ''خاوند کا بھائی تو موت ہے۔'' اس لیے گھروں کو بے پردگی کے ماحول سے محفوظ رکھنے اور فتنوں سے بچاؤ کے لیے ان چیزوں کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ بہرحال عزیزِ مصر کی بیوی کی بات ہو رہی تھی تو صورتِ حال یہ ہے کہ وہ عشق میں مبتلا ہے اور اللہ کا نیک بندہ اور دل میں خوف الٰہی رکھنے والا اس گناہ سے ہر صورت بچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن سے بندوں کو بلند مقام ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ واقعہ بیان کر کے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوانوں کو

وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ

اور یقیناً وہ اس (یوسف علیہ السلام) کے ساتھ ارادہ کر چکی تھی اور وہ بھی اس کے ساتھ ارادہ کر لیتے، اگر وہ اپنے رب کی برہان

گناہوں سے بچنے کا شان دار طریقہ سمجھا رہے ہیں اور یہ بات واضح کی جا رہی ہے کہ دلوں میں اللہ کا خوف کیسے پیدا ہوتا ہے۔

بعض تفاسیر میں " اِنَّهٗ رَبِّيۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَايَ " کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جو مجھے خرید کر لایا ہے وہ میرا آقا ہے۔ " رَبِّيۡۤ " سے مراد انھوں نے یہاں آقا لیا ہے کہ جب اس نے مجھے عزت دی ہے تو میں اسی کے گھر کی عزت پر ہاتھ کیسے ڈالوں، یعنی میں اس کی بیوی سے ایسی غلط حرکت کیوں کروں؟ گویا اسے خاوند کا ذکر کر کے شرم دلانے کی کوشش کی۔

اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ: ''بے شک حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔'' یعنی یوسف علیہ السلام زنا اور بدکاری کو بہت بڑا ظلم سمجھتے ہیں، اس لیے کہہ رہے ہیں کہ اگر میں اس گناہ میں مبتلا ہو جاؤں تو اللہ رب العالمین کے ہاں کیسے کامیاب ہو سکتا ہوں۔ میں یہ نافرمانی کر کے کبھی بھی اپنا شمار ظالموں میں نہیں کروانا چاہتا۔ نسب کی بربادی صرف ایک خاندان ہی نہیں پوری انسانیت پر ظلم ہے۔ آج کافر قوتیں مسلم معاشروں سے نسب کی حفاظت، شرم و حیا اور غیرت ختم کرنا چاہتی ہیں۔ ہمیں دشمن کی ان سازشوں کو ناکام بنانا ہے۔ یوسف علیہ السلام کا پاکیزہ طرزِ عمل اس حوالے سے پوری امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

آیت 24 ﴿ وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا: اس کے متعدد معنی کیے گئے ہیں۔ " وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ " اور " هَمَّ بِهَا " میں فرق ہے جسے خوب سمجھنے کی ضرورت ہے۔ " هَمَّتۡ " کے ساتھ " لَقَدۡ " کا لفظ ہے جس میں لام تاکید کا ہے جبکہ " قَدۡ " کے ساتھ تاکید اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے برائی کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ اس کے برعکس " هَمَّ " کے ساتھ تاکید کے یہ حروف موجود نہیں ہیں۔ مفسرین نے سادہ الفاظ میں اس کا معنی سمجھانے کے لیے بہت خوب صورت مثال بیان کی ہے کہ مثال کے طور پر ایک بندہ روزہ دار ہے اور شدید گرمی کا موسم ہے، ایسے میں اسے پیاس لگی ہو تو سامنے ٹھنڈا پانی دیکھ کر دل میں خیال آ سکتا ہے کہ اسے پی لیا جائے، لیکن جب اس کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ میں روزے سے ہوں تو وہ فوراً اپنے آپ کو ایسا کرنے سے روک لے گا۔ اس لیے دل میں ایک لمحے کے لیے خیال آ جانا خلافِ فطرت نہیں ہے، اصل چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے خاص فضل و کرم سے اس برائی سے محفوظ رکھا۔

مفسرین نے اس حوالے سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

نہ دیکھ لیتے، اس طرح ہم نے انھیں برائی اور بے حیائی سے بچا لیا، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے ﴿24﴾

فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو، یہاں تک کہ اسے کر نہ لے۔ جب اس کو کر لے پھر اسے اس کے برابر لکھو اور اگر اس برائی کو میرے خوف سے چھوڑ دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھو اور اگر بندہ کوئی نیکی کرنا چاہے تو اس کے ارادہ پر ایک نیکی اس کے لیے لکھو اور اگر وہ نیکی کر لے تو اس کے لیے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اس کا اجر لکھو۔ [صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿يريدون أن يبدلوا كلام الله﴾: ۷۵۰۱] یہ رب تعالیٰ کی رحمت و شفقت ہے کہ وہ محض دل میں خیال آ جانے پر سرزنش نہیں کرتا۔ دوسرا اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اس عورت نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا جبکہ یوسف علیہ السلام نے ''هَمَّ بِهَا'' برائی سے بچنے کا ارادہ کیا۔

لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ: ''اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے۔'' اللہ رب العالمین نے یہاں یہ بات واضح کی ہے کہ اپنے بندے یوسف کو ہم نے گناہ سے بچایا تھا۔ وہ اس برائی سے بچنا چاہتے تھے اس لیے ہم نے بھی انھیں محفوظ رکھا۔ ''بُرْهَانَ'' ایمان کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان برائی سے بچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے دل میں ایسا خوف اور تقویٰ پیدا کر دیا تھا اور ان کے دل میں ایمان اس قدر پختہ ہو گیا تھا کہ یہ اللہ کی طرف سے گناہ سے بچاؤ کے لیے پختہ دلیل بن گیا۔ گناہ کو گناہ سمجھنا اور بچنے کی کوشش کرنا محض اللہ کی توفیق سے ہوتا ہے اور برہان سے یہی مراد ہے۔ رب تعالیٰ نے بھی اس آیت میں یہی بات واضح کی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے رب کی ''بُرْهَانَ'' کو دیکھا اور ہم نے انھیں اتنا مضبوط کر دیا کہ وہ گناہ سے بچ گئے۔

عام حالات میں شاید اس بات کو سمجھنا کچھ مشکل ہو لیکن اگر آپ کافر قوتوں کے خلاف میدان میں لڑنے والے مجاہد کو دیکھیں کہ وہ دشمن کے پاس جدید اسلحہ اور وسائل ہونے کے باوجود ان کے ساتھ ٹکرا جاتا ہے۔ اسے علم ہوتا ہے کہ میرے پاس بہت تھوڑے وسائل ہیں لیکن اس کے باوجود وہ میدان سے خوف زدہ ہو کر بھاگتا نہیں ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ جب میری شہادت ہو گی تو اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ انسان پر جب یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کا ایمان اور یقین اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ وہ دشمن کے خلاف لڑائی میں شہادت کی موت کا طلب گار ہوتا ہے اور اس موت کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے۔ یہ برہان ہی ہے جو اسے بڑی سے بڑی قوت کے ساتھ ٹکرانے کے لیے تیار کر دیتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے گناہ سے محفوظ رکھا تو یہ اس کی توفیق سے ہی تھا۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ: یوسف علیہ السلام کے قصے میں ''كَذٰلِكَ'' کا لفظ بار بار آ رہا ہے۔ بات کو

وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّ اَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ قَالَتۡ

مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے ان کی قمیص پیچھے سے پھاڑ ڈالی اور دونوں نے اُس عورت کے خاوند کو دروازے پر پایا۔ عورت بولی کیا سزا ہے اس شخص کی جس نے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا، یہی کہ اسے قید کیا جائے، یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے ﴿25﴾

سمجھنے کے لیے تھوڑا پیچھے واقعہ پر غور کریں کہ یوسف علیہ السلام کو کنویں سے جس طرح بحفاظت نکالا گیا، مصر کے بازار تک پہنچایا گیا اور عزیزِ مصر کے ذریعے سے تربیت کا شان دار ماحول فراہم کیا گیا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے انھیں اس گناہ سے بھی بچالیا۔ پیچھے جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے بظاہر یہ باتیں سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں کہ ایسا کس طرح ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: ﴿ كَذٰلِكَ ﴾ کہ جس طرح پہلے ہم نے وہ سب کچھ کیا، اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو برائی سے دور کر دیا۔ یہاں یوسف علیہ السلام کا بہت زیادہ صبر کرنا واضح ہوتا ہے، ایک صبر وہ تھا جو انھوں نے اس وقت کیا جب بھائی مل کر انھیں کنویں میں پھینک رہے تھے جبکہ ایک صبر یہ ہے جو اس برائی کی دعوت کے جواب میں یوسف علیہ السلام نے پیش کیا۔ دونوں قسم کے صبر میں فرق یہ ہے کہ کنویں میں پھینکے جانے کے وقت کا صبر اضطراری تھا لیکن اس کے مقابلے میں دوسرا صبر اختیاری ہے۔ یہ وہ صبر ہے کہ جس کے ساتھ تربیت ہوتی ہے اور اللہ رب العالمین کی طرف سے شان دار انعامات اور جزائیں ملتی ہیں۔

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ: ''بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو بہت زیادہ اخلاص سے نوازا، دین کی دعوت پیش کرنے کے لیے منتخب کیا اور پھر ان سے بڑے بڑے کام لیے، یوسف علیہ السلام کا شمار بھی انھی میں ہوتا ہے۔ اخلاص ایسے ہی پیدا نہیں ہوتا کہ بندہ کہے میں مخلص ہو گیا ہوں تو وہ ہو جائے گا بلکہ اس کے لیے بڑی بڑی آزمائشوں، تکالیف اور پریشانیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ جب بندہ اللہ رب العالمین کی مسلسل فرماں برداری کرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تو اس وقت وہ مخلص بنتا ہے۔ انسان کے نیک اعمال اسے مخلص بناتے ہیں۔ آزمائشوں و امتحانات میں کامیابیوں سے بندے کو اخلاص کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے مخلصین پر شیطان بھی مسلط نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس نے خود کہا تھا: ﴿ وَ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴾ ''اور سب کو بہکا کر چھوڑوں گا۔ الا یہ کہ ان میں سے کچھ تیرے مخلص بندے (بچ جائیں گے)۔'' [الحجر: ۳۹، ۴۰]

آیت 25 ﴿ وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَ قَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ: عزیزِ مصر کی بیوی نے زبردستی برائی پر آمادہ کرنا چاہا لیکن

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَاۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ
مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝۲۶ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

(یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ اس نے مجھے اپنی طرف ورغلانا چاہا تھا، چنانچہ اسی کے خاندان سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھاڑی گئی ہے تو عورت نے سچ کہا اور وہ شخص جھوٹوں سے ہے ㉖ اور اگر اس کی

یوسف علیہ السلام نے انکار کیا اور دروازے کی طرف دوڑے کہ میں دروازہ کھولوں اور یہاں سے نکل جاؤں۔ وہ گناہ سے بچنا چاہتے ہیں اور یہ عورت انھیں پکڑنے کے لیے پیچھے بھاگ رہی ہے، یعنی دونوں نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی ہے۔ اس دوران عورت نے پیچھے سے یوسف علیہ السلام کی قمیص پکڑ کر انھیں اپنی طرف کھینچنا چاہا تو ان کی قمیص پھٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس امتحان میں پاس کرنا تھا تو اس کے لیے سارا ماحول خود ہی بنتا جا رہا تھا۔

وَ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ: ''اور دونوں نے اُس عورت کے خاوند کو دروازے پر پایا۔'' عورت نے دروازے تو پہلے ہی بند کر دیے تھے اس لیے عزیزِ مصر یعنی اس عورت کا خاوند دروازے سے باہر تھا۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے یوسف علیہ السلام کو برہان عطا فرمائی تھی اور وہ یقین کی پختگی کے ساتھ گناہ سے بچنے کے لیے دروازے کی طرف بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی دروازہ کھولنے میں ان کی مدد فرما دی۔ یوسف علیہ السلام تیزی سے باہر نکلے اور عورت بھی ساتھ ہی پیچھے آ گئی تو دونوں نے دیکھا کہ عزیزِ مصر باہر کھڑا ہے۔ عورت کے خاوند کا عین اس موقع پر دروازے پر پہنچ جانا بظاہر اتفاق دکھائی دیتا ہے، لیکن درحقیقت یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہو رہا تھا۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا ....: عورت نے اچانک اپنے خاوند کو سامنے پایا تو فوراً ہی پینترا بدل لیا اور کہنے لگی کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ اس نے تیری بیوی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں تو بڑی مشکل سے بھاگ کر باہر نکلی ہوں، لہٰذا ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے جو تیری بیوی کی عصمت برباد کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ وہ خود ہی کہتی ہے: ﴿ اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ یا تو اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دینا چاہیے، یا اس کے علاوہ کوئی بہت سخت قسم کی سزا اسے دینی چاہیے۔ خاوند کو سامنے دیکھ کر عورت کا سارا عشق ایک جھٹکے میں ختم ہو گیا۔ بیکار عشق کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اللہ کے ساتھ خالص محبت ہی بندے کو فائدہ دیتی ہے۔

آیت 26 تا 29 ﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ....: جب عورت نے واویلا شروع کیا اور یوسف علیہ السلام پر تہمت لگانا چاہی تو یوسف علیہ السلام بھی اپنے دفاع میں بول پڑے اور کہا کہ اس عورت نے مجھے بہلانے پھسلانے اور گناہ پر مجبور کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ساری حرکت اس کی اپنی ہے۔ اللہ رب العزت نے بھی چونکہ اپنے پاکباز بندے کو اس

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ
كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ
اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۳ ۹ ۱۲

کی قمیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو عورت نے جھوٹ بولا اور وہ شخص سچوں سے ہے (27) پھر جب اس نے دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑی گئی ہے تو کہنے لگا کہ یہ تم عورتوں کا سازشی منصوبہ ہے، بے شک تمھارا فریب بہت بڑا ہوتا ہے (28) یوسف اس بات کو جانے دو اور (بیوی سے کہا) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے (29)

الزام سے بری کرنا تھا اس لیے رب تعالیٰ نے " شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا " ان کے اپنے خاندان ہی کے ایک فرد کی گواہی کا انتظام کر دیا۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک بچہ یوسف علیہ السلام کے حق میں بول پڑا تھا، لیکن اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ جو حدیث اس کے بارے میں آتی ہے وہ ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ الضعیفہ (۸۸۰) میں اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسر قرآن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ "شاہد" داڑھی والا شخص تھا۔ [تفسیر الطبري: ۱۳/ ۱۰۷] اگر یہ شاہد چھوٹے بچے کی صورت میں گواہی دیتا تو یہی معجزہ یوسف علیہ السلام کی براءت کے لیے کافی تھا، دیگر قرائن " اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ ... " کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ چچا، تایا، بھائی اور بھانجے وغیرہ جنھیں خاندان کی عزت کا پاس ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک نے اپنے طور پر عزیزِ مصر کے سامنے یہ بات کہی کہ میں تمھیں ایک تدبیر بتاتا ہوں جس سے تمھارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول مروی ہے کہ وہ شخص شاہی خاندان سے تھا۔ [تفسیر الطبري: ۱۳/ ۱۰۷] اس کا مطلب ہے کہ عزیزِ مصر کو یہ کیفیت دیکھ کر کچھ سمجھ نہیں آ رہی ہو گی کہ اسے کیا کرنا چاہیے اور کسے سچا مانا جائے۔

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ ...: خاندان کا فرد کہتا ہے کہ تم یوسف کی قمیص دیکھ لو، اگر وہ آگے سے پھٹی ہے تو عورت سچی ہے اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ عورت جھوٹی ہے۔ عزیزِ مصر کو بھی یہ دلیل بہتر لگی۔ اس نے جب قمیص کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس پر فوراً اسے معاملے کی حقیقت سمجھ آ گئی اور وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا: ﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ﴾ "یہ تم عورتوں کا سازشی منصوبہ ہے۔" یعنی مجموعی لحاظ سے بات کی کہ عورتیں ہمیشہ اسی قسم کی چالیں چلتی ہیں، کام خود شروع کرتی ہیں اور پھر بعد میں لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے شور مچا دیتی ہیں۔ عام طور پر ان خرابیوں میں بنیاد عورت کی طرف سے ہی ہوتی ہے، اس لیے عزیزِ مصر بھی کہتا ہے کہ یہ سارا مکر و فریب تم عورتوں کی طرف سے ہے۔ اس آیت کے ضمن میں کچھ علماء لکھتے

ہیں کہ عورتوں کی سازش اور منصوبے شیطان کی سازشوں سے بڑے ہیں، اس لیے کہ اللہ نے شیطان کے منصوبوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ [النساء : ٧٦] ''بے شک شیطان کی تدبیر ہمیشہ بہت کمزور ہوتی ہے۔'' اور عورتوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ ''بے شک تمھارا فریب بہت بڑا ہوتا ہے۔''

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا . . . : عزیزِ مصر ساری بات کھل جانے پر یوسف علیہ السلام سے کہتا ہے کہ اے یوسف! اس بات کو یہیں رہنے دے، خاموشی اختیار کر لے اور اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ میری عزت خاک میں مل جائے گی۔ دوسری طرف اپنی بیوی سے کہتا ہے: ﴿ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴾ ''تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے۔'' ساری غلطی تیری ہے لیکن گناہ گار تو یوسف (علیہ السلام) کو ٹھہرا رہی ہے۔ کچھ مفسرین نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ عزیزِ مصر نے بہت تحمل مزاجی سے کام لیا لیکن حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ کوئی غیرت مند شخص نہیں تھا، ورنہ حاکم ہونے کے باوجود اس نے اتنے بڑے جرم پر بھی اپنی بیوی کو کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اسے کسی قسم کی کوئی سزا سنائی، بلکہ یوسف علیہ السلام سے کہہ رہا ہے کہ تو کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرنا۔